فن تفسیر کے ارتقاء میں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حصہ

ڈاکٹر محمد حسین ذہبی   مترجم: ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف قرشی ہاشمی، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ ان کی ماں کا نام حضرت لبابہ کبریٰ بنت حارث بن حزن ہے جن کا تعلق قبیلہ ہلال سے تھا۔ ان کی ولادت اس وقت ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ خاندان مکہ میں شعب بنی ہاشم میں محصور تھے۔ ولادت کے بعد وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے اور آپ نے ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن لگا کر ان کی تحنیک کی اور یہ ہجرت سے تین سال قبل واقع ہوا۔ اپنے بچپن سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے کیوں کہ آپ سے ان کو قرابت حاصل تھی اور اس بنا پر بھی کہ ان کی خالہ حضرت میمونہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں شامل تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ سال اور ایک روایت کے مطابق پندرہ سال تھی۔ وفات نبوی کے بعد وہ کبار صحابہ کی صحبت میں لگاتار رہے اور جو کچھ وہ بذاتِ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے حاصل نہیں کر سکے تھے وہ ان کی مجالس میں سن کر حاصل کر لیا۔ ان کی وفات زیادہ راجح روایت کے مطابق ۶۸ھ میں ہوئی جبکہ ان کی عمر ستّر سال تھی۔ انھوں نے طائف میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ان کو قبر میں محمد بن حنفیہ نے اتارا اور ان کی قبر پر جب مٹی برابر کر دی گئی تو انھوں نے فرمایا: خدا کی قسم آج اس امت کا عالم (حبر) اٹھ گیا۔

حضرت ابن عباسؓ کا مبلغ علم

حضرت ابن عباس اپنی وسعت علم کے سبب حبر (عالم) اور بحر (سمندر) کہلاتے تھے۔ اجتہاد اور

کتاب اللہ کے معانی کی معرفت کے لحاظ سے وہ بڑے بلند درجہ پر فائز تھے ۔اسی بنا پر ان کو فتویٰ نویسی اور تفسیر میں سرداری حاصل تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی مجالس خاص میں ان کو کبار صحابہ کے ساتھ شریک کرتے اور ان کو اپنے قریب بٹھاتے تھے اور ان سے فرمایا کرتے تھے: بلاریب چہرہ مہرہ کے اعتبار سے تم ہمارے جوانوں میں شامل ہو اور اخلاق کے اعتبار سے ان سب سے بہتر ہو اور کتاب اللہ کے سب سے بڑے فقیہ ہو۔ اور ان کی شان میں ایک بار فرمایا: اس جوان کہول کو لازم پکڑو۔ اس کے پاس بہت سوال کرنے والی زبان اور بڑا سمجھ دار دل ہے ۔کبار صحابہ کی موجودگی میں جب حضرت عمرؓ ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرتے تو وہ فرط ادب کے سبب یہی کہتے تھے کہ وہ اس وقت تک کچھ نہ کہیں گے جب تک کبار صحابہ اپنی رائے کا اظہار نہ کریں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباسؓ کی کم عمری کے باوجود ان کی رائے کو وزن دیتے تھے ۔اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے ابن الاثیر نے اپنی کتاب اسد الغابہ میں حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ کی سند سے بیان کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: حضرت عمرؓ کو جب مشکل مقدمات درپیش ہوتے تو وہ ابن عباس سے فرماتے: ہمارے پاس کچھ مقدمات اور پیچیدہ مسائل آئے ہیں یہ اور اس جیسے مقدمات تمہارے ہی لیے ہیں ۔ حضرت عمرؓ اکثر ان کے قول کو اختیار کرتے اور ان کے سوا اور کسی کو اس کے لیے طلب نہیں فرماتے تھے ۔حالانکہ خود عبید اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ اسلام اور مسلمانوں کے لیے اپنی اجتہادی بصیرت اور علمی مہارت میں یکتا تھے ۔بخاری نے سعید بن جبیر کی سند سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا حضرت عمرؓ مجھے بدری شیوخ کے ساتھ اپنے پاس طلب کرتے تھے تو اس سے بعض کو رنج ہوا اور یہ کہا یہ کیوں کر ہمارے ساتھ داخل ہوتا ہے، جبکہ یہ ہمارے بیٹوں کے برابر ہے ۔بعض لوگ خاموش رہے اور انھوں نے کچھ نہیں کہا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ تمہارے بڑے عالموں میں سے ایک ہیں ۔پھر ایک روز ان کو طلب کیا اور ساتھ ہی مجھے بھی بلایا ۔میری رائے میں انھوں نے مجھے ان کے سامنے پیش کرنے کی خاطر ہی بلایا تھا ۔ پھر انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فرمان اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ (جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہونچے) کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ان میں سے کسی نے کہا جب ہم کو اس نے فتحیاب کر دیا اور ہماری مدد کی تو اس نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اللہ کی تحمید و تقدیس کریں اور اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہیں بعض لوگ خاموش رہے اور انھوں نے کچھ نہیں کہا حضرت عمرؓ نے مجھ سے پوچھا کہ ابن عباسؓ تمہارا بھی یہی

خیال ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں: تو انھوں نے پوچھا پھر تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مراد ہے جس سے اللہ نے آپؐ کو باخبر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے تو یہ تمہاری موت کی علامت ہوگی پس تم اپنے رب کی حمد کی تسبیح بیان کرنا اور اس سے مغفرت چاہنا بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا۔ یہ حدیث ان کی قوت فہم اور فکری جودت کی شاہد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ ہاں ابن عباسؓ ترجمان القرآن ہیں۔ ان کے بارے میں عطا کا خیال ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کی مجلس سے زیادہ معزز کوئی اور مجلس نہیں دیکھی۔ ان کے پاس فقہ والے آتے، قرآن کے علماء آتے، شعر کے پارکھ آتے اور وہ ان کو ایک وسیع وادی سے گزارتے تھے (یعنی ان سب کی علمی تشفی کرتے تھے) عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ کا بیان ہے کہ ابن عباس لوگوں پر چند خصوصیات کے سبب فضیلت رکھتے تھے اور وہ ہیں: وسعت علم، فقہی بصیرت ومہارت، حلم، نسب اور تاویل اور ان سے زیادہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا عالم نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے قضایا کا ان سے بڑھ کر کوئی جاننے والا پایا۔ ان سے زیادہ فقیہ اور ضروری مسائل میں پختہ رائے کا حامل بھی ان سے بڑا اور کوئی نہ ملا۔ ایک مجلس میں وہ صرف فقہ کی گفتگو کرتے دوسرے دن تاویل پر بات کرتے تیسرے دن مغازی پر بحث کرتے چوتھے دن شعروادب کی مجلس جماتے اور پانچویں دن ایام عرب سناتے۔ ان کی مجلس میں بیٹھنے والے کسی بھی عالم کو میں نے اظہار خاکساری کے علاوہ اور کسی حالت میں نہیں پایا اور نہ کسی سائل کو دیکھا کہ اس نے ان سے کبھی کوئی سوال کیا ہو اور اس کا جواب اسے نہ ملا ہو۔ طاؤس سے کہا گیا کہ تم نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اکابر کو چھوڑ کر اس بچے کی صحبت اختیار کی تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ستر حضرات کو دیکھا کہ جب ان کو کسی امر میں باہم اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباسؓ کے قول کو اختیار کرتے تھے۔ اعمش نے ابی وائل سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حج میں امیر مقرر کیا تو انھوں نے اپنے خطبہ میں سورہ بقرہ اور ایک روایت کے مطابق سورہ نور کی تلاوت کی اور اس کی ایسی تفسیر بیان کی کہ اگر روم والے یا ترک قبائل سن لیتے تو وہ اسلام لے آتے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب ابن عباسؓ کی تفسیر کی تعریف کرتے تھے اور فرماتے

تھے کہ گویا وہ غیب کی جانب ایک ہلکے سے پردے کے پیچھے سے دیکھتے ہیں۔

مختصر یہ کہ حضرت ابن عباسؓ کی پوری زندگی علمی زندگی تھی جس میں وہ سیکھتے اور سکھاتے رہے اور سرکاری کام کاج میں کبھی مصروف نہیں ہوئے۔ سوائے تھوڑی مدت کے کہ جب ان کو حضرت علیؓ نے بصرہ کا والی بنایا تھا۔ اور سچ بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ میں عربی مہارت علم اپنے تمام معانی، علم اور فصاحت اور دوسرے علمی میدانوں میں مہارت تامہ خاص کر کتاب اللہ کے فہم سمیت جلوہ گر ہوتی تھی۔

ان کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے اچھی بات کہی ہے۔

"ابن عباسؓ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے کلام کے امت محمدیہ میں سب سے بڑے عالم تھے۔"[۲۵]

اب ہم یہاں ان کی علمی گیرائی کے اسباب بیان کرتے ہیں۔ وہ مجملاً حسب ذیل تھے:

اول: ان کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث میں دعا فرمائی تھی "اے اللہ اس کو کتاب وحکمت کا علم عطا کر" دوسری روایت میں ہے کہ "اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ اور تاویل کا علم عطا فرما" اور تفسیر ماثور کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا اس نبوی دعا کا اثر واضح طور سے ان صحیح روایات میں دیکھے گا جو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہیں۔

دوم: ان کی خاندان نبوت میں تربیت اور سن تمیز کے آغاز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلسل شرفِ صحبت۔ اس کے سبب وہ آپ سے بہت سی باتیں سنتے اور ان واقعات وحوادث میں سے اکثر کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے جن میں قرآن نازل ہوا تھا۔

سوم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اکابر صحابہ کی مستقل صحبت۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان سے ان کا علم سیکھتے اور ان کی روایات کو بیان فرماتے تھے۔ وہ ان سے نزولِ قرآن کے مقامات، تشریع اسلامی کی تاریخیں اور اسباب نزول کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے اور اس طرح انھوں نے اپنے اس علمی نقصان کی تلافی کر لی تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پیدا ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام احادیث مجھے انصار کے پاس ملیں۔ میں ایک صاحب حدیث راوی کے پاس جاتا اور اگر اس کو سوتا پاتا تو اس کے دروازہ پر بیٹھ رہتا اور ہوا میرے چہرے پر تھپیڑے لگاتی تھی

حالانکہ اگر میں چاہتا تو اس کو جگا سکتا تھا لیکن جب وہ خود ہی بیدار ہوتا تو میں اس سے جو چاہتا پوچھ لیتا اور پھر لوٹ آتا تھا۔"

چہارم: عربی زبان میں ان کا درک، اس کے غریب الفاظ، اس کے ادب، اس کے خصائص اور اسالیب پر ان کی قدرت۔ قرآن فہمی کے لیے عربی جاہلی شاعری اور ادب سے بہت زیادہ مدد لی جا سکتی ہے اور ان پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوری قدرت حاصل کر لی تھی۔

پنجم: ان کا مرتبۂ اجتہاد پر فائز ہونا اور اس خداداد صلاحیت کے استعمال سے پہلوتہی نہ کرنا، بلکہ جس کو حق سمجھنا اس کو بے خوفی سے بیان کر دینا، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت یا کسی ناقد کی تنقید کی پرواہ اس وقت تک نہ کرنا جب تک کہ یہ یقین واذعان رہے کہ حق ان کے ساتھ ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے تفسیر قرآن کے حوالے سے ان کی علمی جراءت پر بہت تنقید کی ہے لیکن خود ان کی تنقید زیادہ پائیدار نہ تھی کیونکہ جلد ہی خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے قول کو اختیار کر لیا اور ان کے مبلغ علم کا اعتراف کیا۔ روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا[۵۲] (اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین مونہہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھولا) کے معنی پوچھے تو انھوں نے اس سے فرمایا کہ "ابن عباسؓ کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو پھر مجھے بھی آ کر باخبر کرنا" چنانچہ وہ گیا اور ان سے پوچھا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ "آسمان جمے ہوئے (رتق) تھے اور بارش نہیں برساتے تھے اور زمین بھی جمی ہوئی (رتق) تھی اور کچھ سبزہ نہ اگاتی تھی پھر آسمان بارش سے اور زمین سبزہ سے پھٹ پڑی (فتق)" سائل مذکور حضرت ابن عمرؓ کے پاس واپس آیا اور ان کو آیت کریمہ کے معنی سے آگاہ کیا۔ اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کہا کرتا تھا کہ تفسیر قرآن کے بارے میں ابن عباسؓ کی جراءت میرے لیے قابلِ حیرت تھی لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ ان کو علم وہبی سے مالا مال کیا گیا ہے۔

یہی وہ اہم اسباب تھے جو فن تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی شہرتِ علم کے ذمہ دار ہیں مزید براں اس سبب کا بھی اضافہ کرنا چاہیئے کہ وہ خاندان نبوت سے تعلق رکھتے تھے جو ہدایت کا سرچشمہ، نور کا منبع اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ ہمہ گیر علمی وجدان، رائے صائب ایمان راسخ اور دین متین کا مرکز و محور تھا۔

تفسیر قرآن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مقام

فن تفسیر میں حضرت ابن عباس رضؓ کا مقام ان کے معاصرین کے بیانات سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ حضرت مجاہد تابعی کہا کرتے تھے کہ "وہ جب کسی چیز کی تفسیر بیان کرتے تو مجھے ایسا لگتا کہ ان پر نور کی بارش ہو رہی ہو۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی تفسیر کی تعریف میں کہا کرتے تھے: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیب کو ایک باریک پردے کے پیچھے سے دیکھ لیتے ہیں۔" اور حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ "امت محمدیہ میں ابن عباس محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے کلام کے سب سے بڑے عالم ہیں۔" بعض صحابہ کرام اور بہت سے تابعین عظام ان سے قرآن کریم کے ان حصوں کے معانی پوچھا کرتے تھے جو ان کی سمجھ میں نہ آتے تھے۔ ان کے بہت سے معاصرین بھی ان کی طرف رجوع کرتے تھے تاکہ وہ اپنے شکوک دور کر سکیں اور ان سے کتاب اللہ کی ان آیات کریمہ کی وضاحت حاصل کریں جو ان کی فہم کے ادراک سے پرے ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت شعیب علیہما السلام کے قصے میں بعض اہل علم کو یہ اشکال پیش آیا کہ حضرت موسیٰؑ نے دو مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی؟ آیا وہ آٹھ سال کی مدت تھی یا انھوں نے دس سال کی مدت پوری کی تھی؟ اس حقیقت کے بارے میں صورتِ حال واضح نہیں تھی کیوں کہ ان کو حضرت ابن عباسؓ کی رائے معلوم نہ تھی جو کہ حقیقت میں ترجمان القرآن تھے چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ ان سے اس مشکلِ قرآن کے بارے میں پوچھا جائے۔ اس قصہ سے متعلق آیت کریمہ کے بارے میں طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر کی سند سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "میں عازم حج تھا کہ ایک یہودی عالم میرے پاس آیا اور اس نے کہا: میں آپ کو علم کا طالب و عالم سمجھ کر یہ پوچھنے آیا ہوں کہ آپ مجھے بتائیں کہ موسیٰ نے ان دونوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ میں جلد ہی حبرِ عرب یعنی حضرت ابن عباسؓ سے ملنے والا ہوں تو ان سے اس کے بارے میں پوچھوں گا۔ میں جب مکہ پہنچا تو میں نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کے متعلق پوچھا اور ان کو یہودی عالم کے سوال سے آگاہ کیا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ نے ان دونوں میں سے جو زیادہ بڑی مدت تھی اور جو زیادہ اچھی (اطیب) تھی پوری کی تھی۔ کیونکہ جب کوئی نبی وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا" سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ میں جب عراق پہونچا تو میں نے یہودی سے ملاقات کر کے اس کو حقیقت سے آگاہ کیا تو اس نے

کہا: انھوں نے سچ کہا اور یہ بات موسیٰؑ پر نازل نہیں ہوئی تھی۔ اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔[۱۳]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام سے جب کبھی کتاب اللہ کی کسی آیت کے معنی پوچھتے تھے اور ان سے پسندیدہ جواب نہ پاتے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رجوع کرتے وہ نہ صرف اس کے متعلق ان سے پوچھتے تھے بلکہ ان کی تفسیر پر اعتماد بھی کرتے تھے۔ اس باب میں امام طبری کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے آیت کریمہ: أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ الخ[۱۴] (بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو ہووے اس کا باغ کھجور اور انگور کا نیچے اس کے بہتی ندیاں اس کو وہاں حاصل سب طرح کا میوا اور اس پر بڑھاپا پڑا اور اس کی اولادیں ضعیف تب پڑا اس باغ پر بگولا جس میں آگ تھی تو وہ جل گیا) کے بارے میں پوچھا اور کسی سے تشفی بخش جواب نہیں پایا اس وقت حضرت ابن عباسؓ نے جوان کے پیچھے کھڑے تھے کہا کہ امیرالمومنین! اس کے متعلق میرے دل میں ایک بات آرہی ہے۔ حضرت عمرؓ ان کی جانب مڑے اور فرمایا ادھر سامنے آؤ تم اپنے کو کمتر کیوں سمجھتے ہو؟ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ دراصل یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی اور منشائے الٰہی یہ ہے کہ کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ ساری زندگی سعادت وخیر کا کام کرتا رہے یہاں تک کہ اس کی اجل قریب آجائے جب کہ اسے اپنے خاتمہ بالخیر کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تو کیا وہ اپنے تمام نیک اعمال کو شقاوت کا کوئی عمل کرکے رائیگاں بنالے گا اور اپنی سب سے بڑی ضرورت کو جلا کر راکھ کردے گا۔[۱۵]

اللہ تعالیٰ کے فرمان إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ[۱۶] (جب اللہ کی مدد اور فتح آپہونچے) کے بارے میں اکابر صحابہ کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کا ان سے سوال اور حضرت ابن عباسؓ کا جواب بہت مشہور ہے۔ وہ بھی اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ ان مخفی معانی کو ڈھونڈھ نکالنے میں ملکہ رکھتے تھے جن کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے۔ اور ان معانی کا ادراک وہ عطائے الٰہی اور موہبت خداوندی کی بدولت کیا کرتے تھے جو اللہ نے ان کی روح میں ودیعت کی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فن تفسیر کے بہت سے پیچیدہ مسائل کا حل اس طرح پیش کیا ہے گویا کہ ان کو الہام ربانی ہو رہا ہو اور وہ غیب کو باریک پردہ کے پیچھے سے دیکھ رہے ہوں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی تعریف میں کہا تھا۔ یہی سبب تھا کہ صحابہ کرام ابن عباسؓ کی قدر کیا کرتے تھے اور ان کی تفسیر پر اعتماد کرتے

بن فروہ ازدی نامی ایک شخص سے رجوع کیا کرتے تھے۔لوگوں نے شخص موصوف کی تعریف میں کہا ہے کہ وہ بہت کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ان کی صاحبزادی حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ میرے والد پورا قرآنِ کریم ہر ہفتے ختم کرلیا کرتے تھے۔ وہ پوری تورات چھ دن میں پڑھ لیتے تھے اوراس کا مطالعہ مکمل غوروفکر کے ساتھ کیا کرتے تھے جس دن وہ اس کو ختم کرتے تو اس کے ختم میں بہت سے لوگ جمع ہوجاتے۔ وہ فرماتے تھے: "کہا جاتا ہے کہ اس کے ختم کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے"۔ ان کی صاحبزادی کی یہ روایت واضح کرتی ہے کہ ان کے والد محترم تورات سے کس قدر استفادہ کرتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کے علمی مراجع واہم مصادر میں ہم کعب الاحبار یہودی، عبداللہ بن سلام اور دوسرے عام اہلِ کتاب کے نام بھی پاتے ہیں جن سے مفسرین و رواۃ عام طور سے احتراز کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کے بعض اقوال سے بھی ترشح ہوتا ہے کہ وہ بھی ان کی طرف رجوع کرنے سے احتراز کرتے تھے۔لیکن ان حضرات کا قبول اسلام عوام وخواص کے نزدیک تہمت اور جھوٹ سے بالاتر تھا اور وہ قابل اعتماد اہل علم میں شمار ہوتے تھے۔حضرت ابن عباسؓ نے یہودی علماء سے جو بہت سی تعلیمات حاصل کی تھیں اور جن کو انھوں نے ان مسائل میں قابلِ اعتبار سمجھا تھا جن میں اس دوسرے دین کے علماء کی طرف رجوع کرنا ضروری تھا صرف اسرائیلی اور انجیلی مسائل پر منحصر نہیں تھیں بلکہ وہ حضرت کعب سے ام القرآن اور مرجان جیسے الفاظ کی صحیح تفسیر پوچھا کرتے تھے۔لوگوں میں عام تاثر یہ تھا کہ ان یہودی علماء کو عام طور سے قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اوران دونوں کے دینی معانی کا بہتر فہم حاصل تھا چنانچہ وہ ان سے سوال کرنے کی ممانعت کے باوجود ان مسائل میں ان سے رجوع کرتے اور سوال پوچھا کرتے تھے"۔[۵۵]

یہ عبارت گولڈ زیہر کی کتاب مذکورہ بالا میں پائی جاتی ہے اوراس سے صحابہ کرام بالخصوص حضرت ابن عباسؓ پر اس کی الزام تراشی کی کیفیت وکمیت پوری طرح سے واضح ہوتی ہے۔

گولڈ زیہر کی اس رائے کی پیروی استاد احمد امین نے بھی کی ہے جہاں وہ "فجر الاسلام" میں کہتے ہیں کہ "ان یہودیوں میں سے بعض اسلام میں داخل ہوگئے۔ان سے مسلمانوں کو اس قسم کی بہت سی روایات ملیں اور وہ قرآن کی تفسیر میں داخل ہوگئیں جن کے توسط سے مسلمان اس کی تشریحیں کرنے لگے۔حضرت ابن عباسؓ جیسے اکابر صحابہ نے بھی ان کے اقوال قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا تھا کہ جب تم سے اہل کتاب بیان کریں تو تم ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب"۔ لیکن عمل اس کے برخلاف ہوا: وہ ان کی تصدیق کرتے اور ان کے اقوال نقل کرتے تھے۔[۹]

چنانچہ گولڈزیہر اور احمد امین کا خیال ہے کہ صحابہ کرام نے بالعموم اور حضرت ابن عباسؓ نے بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کی پرواہ نہیں کی اور انھوں نے اہل کتاب کی تصدیق بھی کی اور تفسیر کے باب میں ان سے بہت استفادہ بھی کیا اور یہودی رنگ تفسیر کے قدیم مکاتب خاص کر حضرت ابن عباسؓ کے مدرسۂ فکر پر اسلام لانے والے اہل کتاب سے ان کے تعلق و ربط کے سبب پوری طرح سے چھا گیا۔

سچ بات یہ ہے کہ یہ رائے مبالغہ آمیز اور حقیقت سے بعید ہے۔ جیسا کہ ابھی میں کہہ چکا ہوں حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے صحابہ کرام مشرف بہ اسلام ہو جانے والے یہودیوں سے سوالات کیا کرتے تھے لیکن یہ طے شدہ امر ہے کہ ان کے سوالات کا تعلق نہ تو عقیدہ اسلامی سے تھا اور نہ ہی دین کے اصول و فروع سے۔ وہ اہل کتاب سے بعض گزشتہ واقعات اور قصوں کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے۔ مگر وہ ان کی ہر روایت کو اس طرح آنکھ بند کر کے قبول نہیں کرتے تھے کہ وہ لاریب سچ ہے۔ بلکہ وہ اپنے دین و عقل کو اپنا حکم بناتے تھے اور ان کی کسوٹی پر ہر روایت کو پرکھتے تھے۔ جو چیز دین و عقل سے مطابقت رکھتی اسے قبول کرتے اور جو بات منافی و متصادم ہوتی اس کو ترک کر دیتے اور جن امور پر قرآن مجید سکوت اختیار کرتا اور ان کے بارے میں سچ جھوٹ کا ذرا بھی احتمال ہوتا اس میں توقف اختیار کرتے تھے۔ اپنے اس معتدل مسلک کے ذریعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حدیث نبوی "بنی اسرائیل کے بارے میں بیان کرو اور اس میں کوئی حرج نہیں" اور دوسرے فرمان نبوی "اہلِ کتاب کی تم تصدیق کرو اور نہ تکذیب" میں مطابقت پیدا کی تھی۔ کیوں کہ درحقیقت پہلے فرمان نبوی کا تعلق بنی اسرائیل کے تاریخی واقعات و حوادث سے ہے بایں معنی کہ ان میں سب کے لیے سامان عبرت و نصیحت ہے اور یہ بھی آپ ہی کا فرمان ہے کہ "ان میں بہت سی عجیب و غریب چیزیں ہیں"۔ جبکہ دوسرے فرمان نبوی کا مقصود یہ ہے کہ اگر ان کی روایات میں کسی قسم کا احتمال ہو اور اس کے سچ یا جھوٹ ہونے پر کوئی دلیل نہ ہو تو تم اس کی تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ توقف اختیار کرو کیوں کہ اگر کوئی امر حقیقت میں سچ ہوا اور تم نے اس کی تکذیب کر دی تو اس سے حرج ہوگا اور کوئی بات درحقیقت غلط ہوئی اور تم نے اس کی تصدیق کر دی تو بھی حرج ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممانعت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو امر ہماری شریعت کے خلاف ہو اس میں ان کی تکذیب نہ کی جائے اور جو بات

ہماری شریعت کے موافق ہو اس میں ان کی تصدیق نہ کی جائے. جیسا کہ علامہ ابن حجر اور امام شافعیؒ نے تصریح کی ہے[۱]

پھر حضرت ابن عباسؓ اپنے لیے کیسے جائز سمجھ سکتے تھے کہ بنی اسرائیل کے واقعات بیان کرنے میں اس قدر توسع اختیار فرمائیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مبارک کی بھی پرواہ نہ کریں جبکہ خود حضرت ابن عباسؓ تمام لوگوں میں اس بات پر شدید نکیر کرتے تھے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں انھیں کی سند سے روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: اے مسلمانو! تم اہلِ کتاب سے پوچھتے ہو حالانکہ تمہاری کتاب جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اللہ تعالیٰ کے بارے میں سب سے تازہ خبریں دیتی ہے۔ تم اس کو جتنا بھی پڑھو وہ پرانی نہیں ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بھی آگاہ کر دیا ہے کہ اہلِ کتاب نے احکامِ خداوندی میں تبدیلی کر دی ہے اور اپنے ہاتھوں سے کتاب میں تحریف کی اور یہ دعویٰ کیا: هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا[۱] (یہ اللہ کے پاس سے ہے کہ یوں اس پر مول تھوڑا) کیا تمہارا علم تم کو ان سے سوال کرنے سے منع نہیں کرتا۔ خدا کی قسم ہم نے ان میں سے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ اس نے تم سے تم پر نازل شدہ کتاب کے بارے میں سوال کیا ہو۔[۲]

قدیم شاعری سے ابن عباسؓ کا استفادہ

قرآن مجید میں وارد ہونے والے غریب و نامانوس الفاظ کے معانی سمجھنے کے لیے حضرت ابن عباسؓ جاہلی شاعری کی طرف رجوع کرتے تھے اور اسی طرح غرائب القرآن کے فہم و تفہیم کے لیے دوسرے صحابہ کرام نہ صرف یہی مسلک اختیار کرتے تھے بلکہ اور لوگوں کو بھی قدیم عربی شاعری کی طرف رجوع کرنے پر ابھارتے اور اس کا شوق دلاتے تھے تاکہ قرآن کریم کے غریب و اجنبی الفاظ کے فہم میں اس سے مدد لی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے سورہ نحل کی آیت ۴۷ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ (یا پکڑے ان کو ڈرانے کر) کے معنی پوچھے تو قبیلہ ہذیل کے ایک شیخ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ ہماری زبان ہے اور اس میں تخوف کے معنی تنقص (کمی کرنے / آہستہ آہستہ لینے) کے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا: کیا تم اس پر عربی شاعری سے کوئی شہادت پیش کر سکتے ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا اور شاعر کا یہ شعر پڑھا:

تخوف الرحلُ منا تامکا قَرِدا　　　کما تخوف عُودَ النبعة السَّفِنُ

اس کے بعد حضرت عمرؓ اپنے اصحاب سے فرماتے ہیں: اگر تم اپنے دیوان کو مضبوطی سے تھامے رہوگے تو گمراہ نہ ہوگے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ ہمارا دیوان کون سا ہے؟ وہ فرماتے ہیں: وہ جاہلی شاعری ہے اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی پوشیدہ ہیں[۳۱]

یہ حقیقت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کو اس صنف علم میں امتیاز حاصل ہوا اور دوسروں کی بہ نسبت زیادہ شہرت ملی چنانچہ قرآن کریم کے بارے میں جب ان سے سوال کیا جاتا تو وہ اپنے جواب میں شعر بھی پڑھا کرتے تھے اور اس باب میں ان سے متعدد روایات منقول ہیں اور سب سے زیادہ جامع اور ہمہ گیر نافع بن الازرق کے سوالات اور حضرت ابن عباسؓ کے جوابات ہیں جن کی تعداد دو سو تک پہونچتی ہے۔ ان میں سے بعض کی تخریج علامہ ابن الانباری نے 'کتاب الوقف والابتدا' میں کی ہے اور بعض دوسروں کی محدث طبرانی نے معجم کبیر میں کی ہے۔ علامہ سیوطی نے اتقان میں اپنی سند سے اس گفتگو و مباحثہ کے آغاز پر روشنی ڈالی ہے جو نافع اور حضرت ابن عباسؓ کے درمیان برپا ہوا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ابن الازرق کے سوالات اور ان کے جوابات ایک ایک کرکے گنائے ہیں۔[۳۲]

ان کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ صحن کعبہ میں تشریف فرما تھے اور لوگ ان کے گرد حلقہ باندھے بیٹھے ان سے قرآن کریم کے بارے میں پوچھ رہے تھے اس وقت نافع بن الازرق نے نجدہ بن عویمر سے کہا کہ ہمارے ساتھ اس شخص کے پاس چلو جو تفسیر قرآن کی جرأت کر رہا ہے حالانکہ اس کو ذرا بھی اس کا علم نہیں ہے۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت ابن عباسؓ کے پاس اٹھ کر آئے اور ان سے کہا کہ ہم کتاب اللہ کے حوالے سے بعض باتیں آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمارے سامنے ان کی تفسیر بیان فرمائیں اور اس پر کلام عرب سے شہادت بھی فراہم کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو واضح عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو تمہارا جی چاہے پوچھو۔ نافع نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ کے قول عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ[۳۳] (داہنے سے اور بائیں سے جتھ کی جتھ) کے بارے میں بتائیے۔ فرمایا کہ: عزون کے معنی ہیں حلق الرفاق (اونٹنی کے باندھنے کی رسی کے حلقے) اس نے پوچھا کیا اس کو عرب جانتے ہیں۔ فرمایا: ہاں کیا تم نے عبید بن الابرص کا شعر نہیں سنا؟ وہ کہتا ہے۔

فجاءوا یھرعون الیہ حتی   یکونوا حول منبرہ عزینا؟

(ترجمہ: وہ اس کے پاس دوڑتے ہوئے آئے یہاں تک وہ اس کے منبر کے گرد جمع ہوگئے)

اس نے پھر پوچھا کہ اچھا اللہ کے فرمان: وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ[17] (اور ڈھونڈھو اس تک وسیلہ) کے بارے میں بتلائیے۔ فرمایا الوسیلہ کے معنی حاجت ہیں۔ اس نے پوچھا: عرب شاعری میں اس کی کوئی شہادت؟ فرمایا: ہاں کیا تم نے عنترہ کا شعر نہیں سنا وہ کہتا ہے:

ان الرجال لهم الیكِ وسیلة   إن یاخذوكِ تكحلی وتخضبی

(ترجمہ: لوگوں کو تیری حاجت رہتی ہے اگر وہ تمہیں پا جائیں تو تم انھیں سرمہ لگاؤ اور خضاب سے آراستہ کرو)

اسی طرح آخر تک تمام سوالات وجوابات بیان کئے ہیں[17]۔ اور یہ سوالات وجوابات حضرت ابن عباسؓ کی لغت عرب کی گہری بصیرت اور اس کے غریب الفاظ پر ان کی مکمل گرفت اور مہارت تامہ پر دلالت کرتے ہیں اور یہ مہارت ان کو اس حد تک حاصل تھی کہ ان کے سوا سچ بات یہ ہے کہ اس میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا اور اسی نے ان کو عہد صحابہ میں تفسیر کا امام بنا دیا تھا چنانچہ وہ اپنے زمانے سے لے کر بعد کے مختلف ادوار کے مفسرین کا مرجع بنے رہے اور خاص طور سے تفسیر کے اس فن کے وہ امام بے مثال تھے۔ حتی کہ ان کی شان میں کہا گیا ہے کہ بیشک وہی تفسیر قرآن کے لغوی طریقہ کے موجد ہیں"[18]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فن تفسیر کی اس شاخ میں کافی درک رکھتے تھے اور اس سے توضیح قرآن میں مدد لیا کرتے تھے اور وہ دوسروں کو بھی جو قرآن کریم کے غریب الفاظ سمجھنا چاہتے تھے تفسیر کے اس پہلو کی معرفت حاصل کرنے پر ابھارا کرتے تھے۔ امام ابوبکر بن الانباری نے ان سے روایت کیا ہے کہ: شاعری عربوں کا دیوان ہے۔ جب ہم پر قرآن کریم (جس کو اللہ تعالے نے عربوں کی لغت میں نازل کیا ہے) کے الفاظ مخفی رہ جاتے ہیں تو ہم اس کے دیوان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کو وہاں پا لیتے ہیں۔ علامہ ابن الانباری نے ان سے یہ بھی روایت کی ہے کہ "جب تم مجھ سے غرائب القرآن کے بارے میں پوچھتے ہو تو اس کو شعر وادب میں بھی تلاش کیا کرو کیوں کہ شاعری عربوں کا دیوان ہے[19]۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمرؓ کی اس رائے کے حامی تھے کہ قرآن کے نامانوس و غریب الفاظ کے فہم کے لیے شعر جاہلی سے مدد لینی چاہیے بلکہ اکثر صحابۂ کرام اس ناحیۂ علم کا اہتمام کرتے اور اس کے مطابق تفسیر بیان کیا کرتے تھے۔

یہ طریقہ تابعین کرام کے عہد بلکہ ان کے بعد کے زمانے تک جاری رہا یہاں تک کہ متورع و پرہیزگار فقہا اور اہل لغت کے درمیان خصومت نے جنم لیا اور فقہائے خشک نے اس طریقہ کو ناپسندیدہ قرار دے دیا اور کہا "اگر تم یہی کرتے رہے تو تم شعر و ادب کو قرآن کی اصل بنا دو گے"[۲۱]۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ "قرآن پر شعر و ادب سے حجت قائم کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ جبکہ قرآن و حدیث کے سلسلہ میں ایسا کرنا مذموم ہے۔"

سچ بات یہ ہے کہ یہ خصومت جو بعد کی نسلوں میں ابھری وہ بے بنیاد ہے۔ بلکہ حقیقت میں معاملہ وہ نہیں جیسا کہ اس طرز فکر کے رکھنے والوں نے سمجھ لیا ہے کہ شعر کو قرآن کریم کی اصل بنا دیا جائے گا بلکہ حقیقت میں وہ عربی شعر کے ذریعہ قرآن مجید کے غریب الفاظ کی تشریح و بیان کا معاملہ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا[۲۲] (ہم نے رکھا اس کو قرآن عربی زبان کا) اور فرمایا بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ[۲۳] (کھلی عربی زبان سے) یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے ہمارے موجودہ زمانے تک جاہلی شعر و ادب کی طرف استشہاد کے لیے رجوع کرنا ترک نہیں کیا کیوں کہ اس سے کلام اللہ کے معنی سمجھنے میں پوری پوری مدد ملتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی روایات اور ان کی صحت کی کیفیت

حضرت ابن عباسؓ سے تفسیری روایات اتنی کثرت سے نقل کی گئی ہیں کہ ان کا احصاء نہیں کیا جاسکتا روایات کی تعداد بھی بہت ہے اور ان کی سندیں بھی مختلف ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہ ہوگی جس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کا کوئی نہ کوئی قول یا متعدد اقوال منقول نہ ہوں۔ چنانچہ اس امر نے ناقدین آثار اور راویان حدیث کو حد سے متجاوز منقول روایات کی صحت کی طرف سے مشکوک بنا دیا ہے اور انھوں نے راویوں کے سلسلہ کی تلاش و جستجو میں عادل راویوں کی تعدیل اور ضعیف راویوں پر جرح کی اور قوت و ضعف کے اعتبار سے ان روایات کی تعداد عام قارئین کے لیے متعین کر دی ہیں جا ہتا ہوں کہ یہاں حضرت ابن عباسؓ سے مروی مشہور ترین روایات کو بیان کروں پھر ان کی صحت و ضعف پر گفتگو کروں تاکہ ہم سب حضرت ابن عباسؓ کے آثار میں وضع و تصحیف کی حدود جان لیں۔ مشہور ترین اسانید ذیل میں دی جا رہی ہیں۔

اول: معاویہ بن صالح کی سند علی بن ابی طلحہ سے اور ان کی ابن عباسؓ سے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی روایات کی یہ سب سے عمدہ سند ہے۔ اس کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کا بیان ہے کہ "مصر میں تفسیر کا ایک صحیفہ ہے جس کو علی بن ابی طلحہ نے روایت کیا ہے۔ اگر کوئی شخص صرف اس کی طلب میں مصر کا سفر کرے تو کوئی بڑا کام نہیں کرے گا"[۲۳]۔ حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ یہ نسخہ لیث کے کاتب ابو صالح کے پاس تھا جس کو اس نے معاویہ بن صالح سے اور انھوں نے ابن عباس سے روایت کیا تھا۔ امام بخاری نے ابو صالح سے اس کو روایت کیا ہے اور اپنی جامع صحیح میں حضرت ابن عباسؓ کی روایات کے حوالے سے اپنی تعلیقات میں اسی پر اعتماد کیا ہے[۲۴]۔

اسی پر زیادہ تر امام ابن جریر طبری، حافظ ابن ابی حاتم اور حافظ ابن المنذر نے اپنے اور ابو صالح کے درمیان اپنے مخصوص واسطوں کے ذریعہ اعتماد کیا ہے اور جامع صحیح کے مصنف امام مسلم اور دوسرے سنن کے مصنفین بھی سب کے سب علی بن ابی طلحہ کی سند سے حجت لاتے ہیں۔

بعض ناقدوں نے کوشش کی ہے کہ اس سند کی قدر و قیمت گھٹائیں چنانچہ انھوں نے یہ کہہ دیا کہ ابن ابی طلحہ نے تو حضرت ابن عباسؓ سے تفسیر سنی ہی نہیں تھی بلکہ انھوں نے مجاہد یا سعید بن جبیر سے یہ فن حاصل کیا تھا[۲۵]۔ اس لحاظ سے یہ سند منقطع کہلائے گی جس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ گولڈ زیہر نے اپنی کتاب "المذاہب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن" میں اس قول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمان ناقدین نے واضح کیا ہے کہ اس شخص یعنی علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباسؓ سے براہ راست تفسیر نہیں سنی تھی جس کو اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے، اس بنا پر اگرچہ وہ اکثر تفسیری روایات میں صحیح ترین طریقہ ہے اور اس کی بھرپور تصدیق کی جا سکتی ہے لیکن مسلمان ناقدوں نے اس کی نسبت یہ حکم صرف اس بنا پر لگایا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس کے مصدر اول تھے[۲۶]۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ گولڈ زیہر کو یا تو واقفیت نہ تھی یا اس نے تجاہل عارفانہ برتا اور اس بے وقت الزام کا ذکر کیا جس کی تردید معتبر نقادوں نے پہلے ہی کر دی تھی۔ حافظ ابن حجر نے اس نقد و طعن کی تردید یوں کی ہے کہ اگر کوئی روایت ایک واسطہ سے معلوم ہو اور وہ ثقہ ہو تو پھر اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں[۲۷]۔ مصنف ایثار الحق کہتے ہیں کہ "میزان میں ذہبی کا بیان ہے کہ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباسؓ سے بہت سی مفید تفسیر بیان کی ہے۔ علماء کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ان کی تمام روایات مجاہد

کے واسطہ سے ہیں۔ اگر وہ ابن عباسؓ سے مرسل بھی بیان کرتے ہیں تو مجاہد ثقہ اور قابل اعتماد ہیں اور ان کی روایات قابل قبول ہیں[۲۸]۔ بات دراصل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی یہ سب سے صحیح سند ہے اور چونکہ امام بخاری نے اس کی توثیق کی ہے اور اس پر اعتماد کر کے نقل کیا ہے اس لیے یہ اس کی صحت کی سب سے بڑی شہادت ہے جس کی تردید نہیں کی جاسکتی۔

دوم: قیس بن مسلم کوفی کی روایت جو عطا بن سائب کی سند پر سعید بن جبیر کے واسطہ سے ابن عباسؓ تک پہونچی ہے۔ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم) کی شروطِ صحت روایت کے مطابق یہ صحیح سند ہے اور اس سند سے فریابی اور حاکم نے اپنی مستدرک میں بہت سی روایات کی تخریج کی ہے۔

سوم: صاحب مغازی و سیر ابن اسحاق کی سند جو محمد بن ابی محمد (زید بن ثابت کے خاندان کے مولی) کے واسطہ سے حضرت عکرمہ یا حضرت سعید بن جبیر تک اور پھر ان سے حضرت ابن عباسؓ تک پہونچی ہے۔ یہ عمدہ (جید) سند ہے اور اس کا سلسلہ اسناد حسن ہے۔ اس طریقہ سے امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن ابی حاتم نے بہت سی روایات بیان کی ہیں اور محدث طبرانی نے بھی اپنی معجم کبیر میں اس سند سے روایات کی تخریج کی ہے۔

چہارم: اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی الکبیر کا طریق جو کبھی ابو مالک کے ذریعہ اور کبھی ابو صالح کے واسطہ سے حضرت ابن عباسؓ تک پہونچتا ہے۔ اسماعیل السدی اور اس کی حدیثوں کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے امام مسلم اور چاروں سنن کے ائمہ کے نزدیک وہ شیعی تابعی ہے[۲۹]۔ علامہ سیوطی کا بیان ہے کہ اسدی سے امام شعبہ جیسے ائمہ نے روایت کی ہے لیکن اس نے جو تفسیری روایات جمع کی ہیں ان کو اسباط بن نصر نے روایت کیا ہے اور اسباط پر محدثین کا اتفاق نہیں ہے یہ بات دوسری ہے کہ سدی کی تفسیر بہترین تفاسیر میں شمار ہوتی ہے[۳۰]۔ امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں سدی کی بہت سی تفسیری روایات ابو مالک کی سند سے جو ابو صالح سے ہو کر حضرت ابن عباسؓ تک پہونچتی ہے بیان کی ہیں۔ البتہ ابن ابی حاتم نے اس کی کوئی روایت قبول نہیں کی ہے کیونکہ انھوں نے صرف صحیح ترین روایات قبول کرنے کا التزام کیا ہے۔

پنجم: عبدالملک بن جریج کی سند حضرت ابن عباسؓ سے۔ یہ سند کافی بحث و مباحثہ اور دقتِ نظر کی محتاج ہے تاکہ اس سند سے منقول صحیح اور غلط روایات کے درمیان امتیاز کیا جاسکے۔ ابن جریج نے اپنی جمع کردہ روایات میں صحت کا التزام نہیں رکھا۔ انھوں نے ہر آیت کے بارے میں صحیح غلط سب روایات بیان کر دیں اور صحیح کو غلط سے ممتاز نہیں کیا۔ حافظ ابن جریج سے بھی ایک بڑی جماعت نے

روایت کی ہے ان میں حافظ بکر بن سہل الدمیاطی بھی شامل ہیں جو عبدالغنی بن سعید کے ذریعہ موسیٰ بن محمد سے اور وہ ابن جریج سے اور وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حافظ بکر بن سہل کی حافظ ابن جریج سے روایت سند کے لحاظ سے سب سے طویل ہوتی ہے اور اس میں کافی شک کی گنجائش بھی باقی رہتی ہے۔ ان کے سلسلۂ رواۃ میں محمد بن ثور شامل ہیں جو ابن جریج سے اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے روایات تفسیر کے تین بڑے بڑے دفتر جمع کر دئے ہیں۔ ان میں حجاج بن محمد بھی شامل ہیں جو ابن جریج سے روایات لیتے ہیں اور انھوں نے ایک دفتر جمع کیا ہے۔ اور ان کا مجموعۂ روایات صحیح اور متفق علیہ ہے۔

ششم: ضحاک بن مزاحم ہلالی کی سند حضرت ابن عباسؓ سے۔ یہ ناپسندیدہ سند ہے۔ اگرچہ ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے تاہم حضرت ابن عباسؓ تک ان کی سند منقطع ہے۔ کیوں کہ انھوں نے صحابی موصوف سے روایت تو کی ہے مگر ان سے ملاقات کا شرف نہیں پایا۔ اگر اس میں بشر بن عمارہ کی سند کا اضافہ کر دیا جائے جو ابو روق کے ذریعہ ضحاک تک جاتی ہے تو وہ بشر کے ضعف کے سبب وہ بھی ضعیف ہو جاتی ہے۔ اس نسخہ التفسیر سے امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن ابی حاتم نے بہت سی روایات لی ہیں اگر کوئی روایت جویبر کے ذریعہ ضحاک سے سند ہو تو وہ اور بھی کمزور ہوگی کیوں کہ جویبر بہت ہی ضعیف اور متروک راوی ہے۔ امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن ابی حاتم نے اس سند سے کوئی روایت نہیں لی ہے لیکن اس سے حافظ ابن مردویہ اور حافظ ابوالشیخ بن حبان نے روایات لی ہیں۔

ہفتم: عطیہ العوفی کی ابن عباسؓ سے سند۔ یہ بھی ناپسندیدہ سند ہے کیونکہ عطیہ کمزور ہے اور اس کی کوئی تصدیق کرنے والا بھی نہیں۔ البتہ امام ترمذی نے اس کو کہیں کہیں درجہ حسن میں شمار کیا ہے۔ اس سند سے امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن ابی حاتم نے بہت سی روایات بیان کی ہیں۔

ہشتم: مقاتل بن سلیمان ازدی خراسانی کی سند۔ وہ ایسے مفسر ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ امام شافعی نے فرمایا تھا کہ "تفسیر کے باب میں لوگ ان پر تکیہ کرتے ہیں[۳۱]" اس کے باوجود محدثین نے ان کو ضعیف قرار دیا اور کہا ہے کہ وہ تو مجاہد اور ضحاک سے روایت کرتے ہیں حالانکہ ان دونوں سے انھوں نے سنا ہی نہیں۔ اور ایک سے زیادہ ناقدین نے ان کو جھوٹا بتایا ہے کسی نے ان کی توثیق نہیں کی۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ تجسیم اور تشبیہ کے قائل تھے۔[۳۲] ان کے بارے میں علامہ سیوطی کا خیال ہے کہ "کلبی کو ان پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ مقاتل مردود عقائد کے قائل تھے۔[۳۳] امام وکیع سے مقاتل کی

تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: "اس کو دیکھو بھی مت" سائل نے پھر پوچھا: تو پھر میں اس کا کیا کروں، تو انھوں نے کہا "اس کو یعنی اس کی تفسیر کو دفن کردو"[۳۴]۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ مجھے مقاتل بن سلیمان سے کچھ بھی روایت کرنا پسند نہیں آتا[۳۵]۔ مختصر یہ کہ اگر کسی نے مقاتل کی تفسیر کی تعریف وتحسین بھی کی ہے تو "اس کی تفسیر کتنی اچھی ہے کاش وہ ثقہ بھی ہوتا"۔ کہہ کر اس کو ضعیف بھی قرار دیا ہے[۳۶]۔

نہم: محمد بن سائب کلبی کی سند جو ابو صالح کے واسطہ سے حضرت ابن عباسؓ تک پہونچتی ہے۔ یہ سب سے زیادہ ضعیف سند ہے۔ کلبی تفسیر کے لیے مشہور رہے۔ جیسا کہ ابن عدی نے الکامل میں کہا ہے کہ اس سے زیادہ کسی کی تفسیر نہ طویل ہے اور نہ مقبول وشائع۔ اس کے باوجود کہنے والے کہتے ہیں کہ اس کی تفسیر ترک کردو۔ اس کے علاوہ بعض ناقدین کا کہنا ہے کہ علماء حدیث وتفسیر کا اس کی حدیث ترک کرنے پر اجماع ہے، کیونکہ وہ ثقہ نہیں چنانچہ اس کی احادیث لکھی نہیں جاتیں اور ایک جماعت نے اس کو موضوع احادیث گھڑنے کا مجرم قرار دیا ہے[۳۷]۔ کلبی سے روایت کرنے والوں میں محمد بن مروان السدی الصغیر بھی ہے اور اس کے بارے میں محدثین کا خیال ہے کہ وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور حدیثوں کا گھڑنے والا متروک ہوتا ہے۔ اس سبب سے علامہ سیوطی نے اتقان میں کہا ہے کہ اگر اس میں یعنی کلبی کی سند میں محمد بن مروان السدی الصغیر کی روایت بھی شامل ہو تو وہ جھوٹ کا مکمل سلسلہ ہوگا[۳۸]۔ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب الدر المنثور جلد ششم ص ۴۲۳ میں کہا ہے کہ کلبی کو محدثین نے کذب (جھوٹ) سے متہم کیا ہے۔ وہ جب بیمار پڑا تو اس نے اپنے اصحاب اور شاگردوں سے اپنے زمانہ مرض میں اعتراف کیا: "میں نے تم سے ابو صالح کی سند پر جو کچھ بیان کیا ہے وہ جھوٹ ہے۔" اور اور کلبی کے ضعف کے باوجود جس نے اس کی جیسی جھوٹی تفسیر بیان کی ہے یا اس سے بھی زیادہ ضعیف روایات بیان کی ہیں وہ محمد بن مروان السدی الصغیر ہے"۔ اس سند سے امام ثعلبی اور علامہ واحدی نے بہت سی روایات بیان کی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایات کی یہ مشہور اسانید ہیں جن میں صحیح بھی ہیں اور سقیم بھی اور آپ نے ان میں سے ہر ہر طریقہ اور سند کی قدر وقیمت جان لی اور ان لوگوں کو بھی پہچان لیا جنھوں نے حضرت ابن عباسؓ سے ان کی روایاتِ تفسیر جمع کرنے میں ان پر اعتماد کیا ہے۔

مزید براں حضرت ابن عباسؓ کے اسم گرامی سے تفسیر کا ایک بڑا دفتر منسوب کیا گیا ہے جو مصر میں کئی بار "تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس" کے نام سے چھپا ہے اور جس کو ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروزآبادی شافعی مصنف القاموس المحیط

تھے۔ یہ قدر دانی اپنے عروج کو تابعین کے زمانے میں پہونچی اس دور میں ایک مدرسہ فکر تھا جس کے طلبہ حضرت ابن عباسؓ سے تفسیر کا علم حاصل کرتے تھے اس مدرسہ کا فیض مکہ مکرمہ میں جاری تھا اور اس سرچشمۂ علم سے مختلف شہروں کے لوگ سیراب ہوتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر عالم اسلامی کے مسلمانوں کو برابر افتخار و انبساط بخشتی رہی۔

اہلِ کتاب سے حضرت ابن عباسؓ کا استفادہ

بہت سے دوسرے صحابہ کرام کی مانند جو علم تفسیر میں شہرت کے حامل بنے حضرت ابن عباسؓ بھی معانی قرآن کی افہام و تفہیم کے لیے اولاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور پھر غور و فکر اور اجتہاد کی اس صلاحیت سے کام لیتے تھے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں ودیعت کرتا ہے اور اسباب نزول کی معرفت میں نزول قرآن کے وقت کے حالات و واقعات سے مدد لیتے تھے اور ساتھ ساتھ وہ اہل کتاب کی طرف بھی رجوع کرتے اور ان سے استفادہ کرتے تھے، کیوں کہ بہت سے مواقع پر قرآن کریم اور تورات و انجیل میں اتفاق ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جو بات مجمل بیان ہوتی اور تورات و انجیل میں اس کا مفصل بیان ملتا تو وہ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اہل کتاب کی طرف ان کا رجوع اور ان سے استفادہ ایک بہت ہی تنگ دائرہ میں محدود تھا یعنی استفادہ صرف انھیں مقامات پر ہوتا تھا جو قرآن مجید سے متفق ہوتے اور اس کی تصدیق کرتے تھے لیکن جو مقاماتِ اناجیل قرآن کے منافی اور شریعت اسلامی کے مخالف ہوتے تھے ان سے حضرت ابن عباسؓ نہ استفادہ کرتے اور نہ ان کو قبول کرتے تھے۔

مستشرق گولڈزیہر نے اپنی کتاب "المذاہب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن" میں حضرت ابن عباسؓ پر اتہام لگایا ہے کہ وہ اہل کتاب سے استفادہ کے باب میں بڑے وسیع القلب تھے اور اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم "اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب" سے روگردانی کے مرتکب ہوئے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ مصنف مذکور کی متعلقہ عبارت کو پورا پورا نقل کر دیں تاکہ حضرت ابن عباسؓ پر اس کے الزامات کی حقیقت کو بخوبی سمجھا جاسکے اور پھر اصل صورتِ حال واضح کرکے اس کی تردید کی جاسکے۔ اس کا بیان ہے کہ "تفسیر قرآن سے متعلق اپنی اکثر و بیشتر مرویات میں حضرت ابن عباس ابو الجلد غیلان

نے مرتب کیا ہے۔ میں نے جب اس تفسیر کو پڑھا تو اپنے مطالعہ کے دوران دیکھا کہ اس کے جامع نے بسملہ پر کلام کرتے وقت جو روایات بیان کی ہے اس کی سند حضرت ابن عباسؓ سے یوں بیان کی ہے: "ہم کو عبداللہ ثقہ بن مامون ہروی نے خبر دی اور انھوں نے کہا کہ ہم کو ہمارے والد نے بتایا اور انھوں نے بیان کیا کہ ہم کو ابوعبداللہ محمود بن محمد رازی نے بتایا اور ان کا بیان ہے کہ ہم کو عمار بن عبدالمجید ہروی نے خبر دی اور انھوں نے کہا کہ ہم کو علی بن اسحاق سمرقندی نے بتایا اور انھوں نے محمد بن مروان کے واسطہ سے کلبی کے ذریعہ ابوصالح کی سند پر ابن عباسؓ سے روایت کیا"۔ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں میں نے مشاہدہ کیا کہ جامع موصوف اپنے کلام کو اپنی اسناد سے حضرت عبداللہ بن مبارک تک لے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم سے علی بن اسحاق سمرقندی نے محمد بن مروان کی سند سے بیان کیا اور انھوں نے کلبی سے سنا اور انھوں نے ابوصالح سے روایت کی اور انھوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی"۔ اور پھر ہر سورۃ کے آغاز میں وہ کہتے ہیں کہ اپنی سند سے اس نے ابن عباسؓ سے روایت بیان کی ہے کہ ...."

اس طرح ہم پر پوری طرح واضح ہوجاتا ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس کا مدار محمد بن مروان السدی الصغیر پر ہے جو محمد بن سائب کلبی کے ذریعہ ابی صالح سے اور وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور گذشتہ بحث سے ہم کو معلوم ہوچکا ہے کہ سدی صغیر کی کلبی کے واسطہ سے روایت کی کیا حیثیت ہے۔ اس سند پر سب سے اچھی تعقیب وتنقید حافظ ابن عبدالحکم نے کی ہے۔ روایت کے مطابق ان کا بیان ہے کہ "میں نے امام شافعی کو فرماتے ہوئے سنا: حضرت ابن عباسؓ سے فن تفسیر میں سو حدیثوں سے زیادہ روایات ثابت نہیں ہیں[۳۵]"۔ اگر امام شافعی کی یہ روایت صحیح ہے تو وہ بتاتی ہے کہ گھڑنے والوں نے حضرت ابن عباسؓ کے اسم گرامی سے منسوب روایات تفسیر میں کس قدر زیادہ الحاق کرنے کی جرات کی ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے کلام میں الحاق کی کثرت کا راز یہ ہے کہ وہ خاندان نبوت سے تعلق رکھتے تھے اور دوسروں کی جانب نسبت کرنے سے زیادہ ان کی طرف نسبت کرنے سے وضع والحاق کو ثقاہت اور تصدیق کی چھاپ مل سکتی تھی اس میں یہ بھی اضافہ کروں گا کہ حضرت ابن عباسؓ عباسی خلفاء کے جدامجد تھے اور راویوں میں ایسے بہت سے لوگ تھے جو ان کے جدامجد کی روایات بیان کرکے عباسی خلفاء کا تقرب اور خوشنودی چاہتے تھے۔

حواشی و مراجع

۱؎ ملاحظہ ہو اسد الغابہ جلد پنجم ص۱۹۲-۱۹۵ ۲؎ سورہ انبیاء آیت ع۳۰

۳؎ تفسیر ابن جریر جلد ۲۰ ص۴۳ ۴؎ سورہ بقرہ آیت ع۲۶۶

۵؎ تفسیر ابن جریر جلد سوم ص۷۴ ۶؎ سورہ نصر آیت ع۱

۷؎ اتقان جلد دوم ص۱۸۳ ۸؎ المذاہب الاسلامیہ فی القرآن (عربی ترجمہ: عبد القادر) ص۶۵-۶۷ ۹؎ فجر الاسلام ص۲۰۱

۱۰؎ فتح الباری جلد ہشتم ص۱۲۰ ۱۱؎ سورہ بقرہ آیت ع۷۹

۱۲؎ بخاری، کتاب الشہادات : فتح الباری جلد پنجم ص۱۸۵

۱۳؎ یہ قصہ موافقات جلد دوم ص۸۸ میں بھی بیان ہوا ہے اور اس میں اور حضرت عمرؓ سے مروی دوسری روایت جس میں حضرت عمرؓ نے جب "اب" کے معنی پوچھے تو اس نے آپ سے کہا کہ اے عمر یہ تو خاص تکلف کی بات ہے۔ اس میں کوئی تضاد و تعارض نہیں ہے کیوں کہ ہمارے سامنے اس وقت جو آیت ہے اس کا مفہوم "تخوف" کے معنی سمجھنے پر منحصر ہے۔ بخلاف دوسری آیت کے کہ اس کا جو مفہوم ہے وہ اب' کے معنی کی معرفت پر موقوف نہیں ہے۔

۱۴؎ بنت الشاطی نے اپنی کتاب الاعجاز البیانی للقرآن الکریم و مسائل ابن الازرق میں اس بحث کا تحقیقی تجزیہ پیش کیا ہے جو تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ (مترجم) ۱۵؎ سورہ معارج آیت ع۳۷ ۱۶؎ سورہ مائدہ آیت ع۳۵

۱۷؎ اتقان جلد اول ص۱۲۰ ۱۸؎ المذاہب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن ۱۹؎ اتقان، جلد اول ص۱۱۹

۲۰؎ ان میں امام نیساپوری مشہور صاحب تفسیر بھی شامل ہیں۔ انھوں نے اس کی تصریح اپنے مقدمہ تفسیر جلد اول ص۶ میں کی ہے۔

۲۱؎ سورہ زخرف آیت ع۳ ۲۲؎ سورہ شعراء آیت ع۱۹۵ ۲۳؎ اتقان جلد دوم، ص۱۸۸

۲۴؎ ایضاً ص۱۸۸ ۲۵؎ ایضاً ص۱۸۸ ۲۶؎ المذاہب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن ۲۷؎ اتقان جلد دوم ص۱۸۸

۲۸؎ ایثار الحق ص۱۵۹ ۲۹؎ ایثار الحق ص۱۵۹ ۳۰؎ اتقان جلد دوم ص۱۸۸

۳۱؎ دفعیات الاعیان جلد دوم ص۵۶۷ ۳۲؎ ایثار الحق ص۱۵۹ ۳۳؎ اتقان، جلد دوم ص۱۸۹

۳۴؎ تہذیب الاسماء واللغات، جلد دوم ص۱۱۱ ۳۵؎ ایضاً ص۱۱۱

۳۶-۳۷؎ التفسیر معالم حیاتہ۔ منہجہ الیوم ص۹ ۳۸؎ اتقان، جلد دوم ص۱۸۹ ۳۹؎ ایضاً ص۱۸۹